R. No. 218667 Regd. No. 972

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۲۔ شمارہ ۴۰ | ایڈیٹر۔ آل احمد سرور | ۲۲ر اکتوبر ۱۹۶۳ء

ادار یہ

اُردو اسکولوں کا جال بچھایئے

پچھلی اشاعت میں ہم نے بہار اُردو ابتدائی تعلیم کانفرنس کی روداد شائع کی تھی اور اس پر تبصرہ بھی کیا تھا۔ یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ ہم اس سلسلے میں چند باتیں اور کہنا چاہتے ہیں۔

اُردو کے سلسلے میں حکومت کا جو فرض تھا وہ اُس نے پورا نہیں کیا، اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا مگر یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ حکومت نے اور بھی بہت سے ایسے فرض پورے نہیں کیے جو دستور کی رو سے اُس پر عاید ہوتے ہیں۔ مثلاً ابتدائی منزل پر مفت اور جبری تعلیم کی رفتار اگرچہ بڑھی ہے، مگر ابھی ہم منزلِ مقصود سے بہت دور ہیں۔

اس لئے حکومت کو اُس کا فرض تو برابر یاد دلانا ہے، مگر ہمیں بھی کچھ کرنا ہے اور اس وقت سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ اس کام کو مقدم کیا جائے اور ہر چیز کو موخر۔ اُردو دوست سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کئی ریاستوں میں اُن کی خاصی بڑی آبادی ہے۔ مثلاً اُتر پردیش میں ان لوگوں کی آبادی جن کی مادری زبان اُردو ہے کیرل اور کشمیر کی پوری آبادی سے بھی زیادہ ہے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ اُتر پردیش، بہار، راجستھان، مدھیہ پردیش اور دہلی میں باوجود قابلِ لحاظ اُردو داں آبادی کے، ابتدائی تعلیم کا سرکاری انتظام بہت ناقص، محدود اور غیر تسلی بخش ہے۔ دوسری ریاستوں میں بھی دشواریاں ہوتی ہیں، مگر وہ اتنی نہیں ہیں، اس لئے فی الحال ہمیں ان ریاستوں میں اُردو ابتدائی اسکول بڑی تعداد میں کھولنے چاہئیں۔ بہار میں تو وہاں کی ریاستی انجمن اس کام کا آغاز جلد ہی کرنے والی ہے۔ اب اُتر پردیش، مدھیہ پردیش، راجستھان اور دہلی میں یہ مہم چلائی جانی چاہیے۔ ان میں اُتر پردیش کا مسئلہ سب سے اہم ہے۔ یہاں سب سے پہلے صورتِ حال کا جائزہ لینا ہے اور صحیح اعداد و شمار جمع کرنے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک ضلع کو مختلف حصوں میں تقسیم کرکے وہاں کے اسکولوں کی تعداد، طلبہ کی تعداد، اُردو اسکولوں کی تعداد، اُن طلبہ کی تعداد جن کی مادری زبان اُردو ہے مگر اُن کے لیے کوئی انتظام نہیں ہے اور وہ مجبوراً ہندی کے ذریعے سے تعلیم حاصل کرتے ہیں، اُن طلبہ کی تعداد جو اسی وجہ سے سرے سے نہیں پڑھتے۔ اسکول کے لئے زمین عطیہ کے طور پر حاصل کرنے کے امکانات، عمارت کے لئے مناسب رقم فراہم کرنے کی سہولتیں، ان سب باتوں کا صحیح اندراج ہونا چاہیے۔ اُردو اسکول الگ الگ مذہبی جماعتیں بھی قائم کرسکتی ہیں، مگر بہتر یہ ہوگا کہ یہ اسکول ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی مل کر قائم کریں اور اس کے لئے چندہ سب سے لیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ کوشش کی جائے تو حکومت سے بھی اس سلسلے میں امداد مل سکتی ہے مگر اس امداد کے بھروسے پر رہنا غلط ہوگا۔ ان اسکولوں میں اپنا نصاب پڑھانا چاہیے، اور اُسے سرکار سے منظور کرانا چاہیے۔ کتابوں کی تیاری اور اساتذہ کی تربیت پر پوری توجہ کرنی چاہیے۔ اس کام کے لئے بڑے

اس اشاعت میں

پیمانے پر چندہ کیا جائے تو باوجود موجودہ حالات کی دشواریوں کے، عوام اس مبارک کام میں دامے، درمے، سخنے، قدمے شرکت کریں گے۔ یہ واضح رہے کہ یہ مہم کسی علیحدگی پسندی یا تنگ نظری کی بنا پر نہیں، خالص قومی بنیادوں پر چلانی چاہیے۔ اردو سے ہمدردی رکھنے والے آج بھی ہر سیاسی جماعت اور ہر مذہبی جماعت میں مل جائیں گے۔ اُن سب کا تعاون حاصل کرنا چاہیے۔ کام بڑا ہے اور مشکل بھی ہے۔ اس میں بہت سے مشکل مقام آئیں گے اور بہت سی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر جب یہ شروع ہوگا اور قومی بنیاد پر شروع ہوگا تو اس کے ہمدرد بھی بہت ملیں گے۔ اب اس میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔

سیر بین

آج کل ہماری قوم احساس کمتری میں بُری طرح مبتلا ہے۔ دیکھیے اس مرض سے کب چھٹکارا ملتا ہے۔ بہت سے لوگ یہ آس لگائے بیٹھے ہیں کہ چین نے اگر پھر حملہ کر دیا تو امریکہ یا روس سے ہم ہر طرح کی امداد لے لیں گے اور پھر چین سے نپٹ لیں گے۔ گویا اپنی اندرونی طاقت پر اُنھیں اعتماد نہیں ہے۔ وزیر اپنی بڑائی ثابت کرنے کے لئے، دوسرے وزیروں پر پبلک میں اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے۔ کہا جاتا ہے کہ باہر کے لوگوں کے سامنے اپنے ساتھیوں کی بُرائی تک کر جاتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ باہر کے لوگوں کی رائے سارے ملک کے متعلق کیا ہوتی ہے۔ سرکاری افسر یونیورسٹیوں کے اساتذہ کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ علمی مسائل کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔ یونیورسٹی کے اساتذہ ہر وقت لیڈروں اور افسروں کی بُرائی کرتے رہتے ہیں۔ اپنا فرض نہیں پہچانتے۔ طلبہ ایک طرف ملک کے لیڈروں میں کیڑے ڈالتے ہیں، دوسری طرف اساتذہ پر اعتراض کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ ہر سیاسی پارٹی ہنگاموں اور حادثوں سے فائدہ اُٹھانا چاہتی ہے۔ ادیبوں میں بھی یہ مرض سرایت کر گیا ہے۔ غزل گو، نظم کے شاعر کو کچھ نہیں سمجھتے۔ نظم کہنے والے، غزل گو بے وقت کی راگنی کہتے ہیں، جو افسانہ لکھتا ہے وہ افسانے کے علاوہ سارے ادب کو بقول کرشن چندر بکواس سمجھتا ہے۔ کوئی یہ کہہ کر کہ یہ نثر کا دور ہے شاعری کی اہمیت کو نظر انداز کرتا ہے، کوئی نثر کو دردِ سر سمجھتا ہے۔ ہمارے محقق، تنقید کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، ہمارے نقاد تحقیق کی اہمیت کو نہیں مانتے۔ رسالے نکالنے والے سمجھتے ہیں کہ صرف وہی ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ مشاعرہ کرنے والے

اسی نشے کو نجات سمجھتے ہیں۔ کاش لوگ یہ سمجھتے کہ ع

جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے

زندگی، سیاست، علم، ادب کی خدمت، اپنے اپنے دائرے میں رہ کر کی جا سکتی ہے اور ایک پہلو کے اعتراف کے لئے دوسرے پہلو کو نظر انداز کرنا ضروری نہیں۔ اپنے کام کے لئے بھی ایک مجموعی تصور درکار ہے۔

اورنگ آباد میں بزم ادب کا افتتاح

(روزنامہ ہندوستان بمبئی سے) ملند کالج آف سائنس اورنگ آباد (دکن) کی بزم اُردو کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر اوقاف صالح بھائی عبدالقادر نے فرمایا کہ "اُردو ملک کی سب سے اہم اور آسان زبان ہے۔ یہ زبان صرف مسلمانوں کی ہی نہیں بلکہ ہندوستان میں ۲۰ کروڑ باشندوں کی ہے اگر مسلمانوں کی زبان کوئی ہو سکتی تھی تو وہ عربی ہو سکتی تھی لیکن زبان کسی کی میراث یا جاگیر نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک کے افہام و تفہیم کا ذریعہ ہوتی ہے۔ پورے ہندوستان میں اُردو ہی ایک زبان ہے جو ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔"

اُردو تعلیمی مُہم

قومی آواز کے اسٹاف رپورٹر کی اطلاع ہے کہ بزم خواتین کے ماہانہ جلسے میں سلطانہ حیات صاحبہ نے تجویز پیش کی کہ اُردو تعلیمی مُہم جلد از جلد شروع کی جائے۔ اس میں بڑی عمر کی خواتین کو اُردو تعلیم دینے کے علاوہ اُن طالبات پر خصوصی توجہ دی جائے گی جو درجہ چہارم سہ لسانی فارمولے کے تحت ابتدائی اُردو کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ مہم کے سلسلے میں تعلیمی اور نگرانی کے کاموں کے علاوہ جو کارکن بحیثیت ٹیچر کام سنبھال لیں گی انھیں کچھ معاوضہ بھی دیا جائے گا۔

میر کی مناسب یادگار

مشہور اُردو شاعر میر تقی میر کے کلام کی اشاعت کے لئے میر اکیڈمی قائم کی جا رہی ہے۔ یہاں ایک میر لائبریری قائم کرنے کی بھی تجویز ہے۔ اس کے علاوہ میر کی کوئی مناسب یادگار قائم کرنے کے سوال پر بھی غور ہو رہا ہے۔ یہ اکیڈمی یہاں نومبر میں ایک مشاعرہ کرے گی جس میں ملک بھر کے شاعر حصہ لیں گے۔ سرکردہ مصنفوں نے اکیڈمی کی سرپرستی منظور کر لی ہے۔ کلام میر کے متعلق طلبہ کے مقابلے کرانے کا بھی پروگرام بنایا جا رہا ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور گزشتہ سے پیوستہ

اُردو ابتدائی تعلیم کانفرنس بہار کا خطبۂ صدارت

(چہارم) اُردو مشترک تہذیب کی نشانی ہے اور اس کی ترقی میں ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں سبھی کا حصہ ہے اس لئے اُردو کی کتابوں میں سبھی مذاہب کی تعلیمات کا عکس ہونا چاہیئے اور اس بات کی خاص احتیاط کرنی چاہیے کہ کسی ایک مذہب کی طرف میلان نہ پیدا ہو۔

(پنجم) اُردو پڑھنے والے جو تہذیبی خصوصیات رکھتے ہیں وہ ہندوستان کی تہذیبی وحدت کے ساتھ اس کی نیرنگی کی بھی مظہر ہیں۔ اس رنگا رنگ تہذیب کی پوری نمایندگی بھی ضروری ہے۔

(ششم) اتر پردیش میں سہ لسانی فارمولے کا نفاذ اس طرح ہو رہا ہے کہ تیسری زبان کے طور پر بڑے پیمانے پر سنسکرت پڑھائی جا رہی ہے۔ حالانکہ مرکز کا مشورہ یہ تھا کہ تیسری زبان کے طور پر کوئی جدید ہندوستانی زبان پڑھائی جائے۔ جو لوگ سنسکرت پڑھنا چاہتے ہیں انھیں اس کی سہولت ہونی چاہیئے مگر جو لوگ اُردو یا کوئی جدید ہندوستانی زبان تیسری زبان کے طور پر پڑھنا چاہتے ہیں ان کے لیئے بھی انتظام ضروری ہے تاکہ کوئی اپنی پسند کی زبان کی تعلیم سے محروم نہ رہے۔

(ہفتم) اب یہ بات روز بروز واضح ہوتی جا رہی ہے کہ مادری زبان میں نہ صرف ابتدائی تعلیم بلکہ ثانوی تعلیم بھی ہونی چاہیئے۔ ہاں لسانی اقلیتوں کا اس میں فائدہ ہے کہ وہ دونوں منزلوں پر علاقائی زبان سے بھی پوری واقفیت حاصل کریں۔ جب اس واقعیت کا لحاظ رکھا گیا ہے تو ابتدائی یا ثانوی منزل پر اُردو کے ذریعہ سے تعلیم میں دشواریاں پیدا کرنا قومی جرم ہے۔

اب مجھے مختصر طور پر جو کچھ کرنا چاہیئے اس کی تشریح کرنی ہے۔

(الف) سب سے پہلے ان لوگوں کی ایک فہرست تیار کرنی ہے جن کی مادری زبان اُردو ہے۔ یہ کام سرکاری مردم شماری کا تھا۔ مگر سب جانتے ہیں کہ اس معاملے میں سرکاری اعداد و شمار پر پورا بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں اس کی ایک مثال دینا چاہتا ہوں۔ لسانی اقلیتوں کے کمشنر نے اپنی چوتھی رپورٹ میں بہار میں اُردو میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی تعداد ۲،۰۰،۰۰۰ بتائی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ آبادی کے تناسب سے یہ تعداد ۱۶،۰۰،۰۰۰ ہونی چاہیئے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے انجمن کے وفد سے یہ سوال کیا کہ بہار میں اُردو پڑھنے والوں کی تعداد آبادی کے تناسب سے زیادہ کیسے ہو گئی؟ میں نے جواب دیا کہ در اصل مردم شماری ۱۹۸۱ء کے مطابق اعداد و شمار اصل تعداد سے کم ہیں۔ بہار میں اُردو دوستوں کی کوشش کی وجہ سے ایک معقول تعداد اُردو پڑھ رہی ہے مگر ہمارے اندازے کے مطابق آبادی کے تناسب کے حساب سے ۱۰،۰۰،۰۰۰ نہیں بلکہ تین لاکھ اور چار لاکھ کے درمیان تعداد ہونی چاہیئے۔ پنڈت جی کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔

یہ فہرست ہر ضلع میں مناسب کمیٹیاں اور ذیلی کمیٹیاں بنا کر تیار کی جا سکتی ہے۔

(ب) اس کے بعد تعلیمی سہولتوں کا جائزہ لینا ہے، یعنی ہر قصبے اور شہر میں کتنے اسکول موجود ہیں اور کتنے اور ہونے چاہئیں۔

(ج) ظاہر ہے کہ ضرورت کے لحاظ سے اسکولوں کی تعداد بہت کم ہے، اس لیئے ایسا نقشہ بنانا چاہیئے کہ جہاں بھی لگ بھگ پچاس اُردو کے طالب علم ہوں وہاں ایک ابتدائی اسکول ہو۔ پانچ ابتدائی اسکولوں پر ایک ثانوی اسکول ہو اور دس ثانوی اسکولوں پر ایک کالج۔

(د) ان اسکولوں کے لیئے نصاب انجمن تیار کرے اور اسے محکمہ تعلیم سے منظور کرائے۔

(ہ) ابتدائی اسکولوں میں چوتھے درجہ سے ہندی لازمی ہو۔

(۶) ثانوی اسکولوں میں ہندی لازمی طور پر پڑھائی جائے اور اس کا معیار عام اسکولوں کے برابر ہو۔

(۷) ثانوی اسکولوں میں ایسے اسکولوں کی تعداد زیادہ ہو جن میں کسی پیشے یا دستکاری کی تعلیم دی جا سکے۔

(۸) ان اسکولوں کا سارا خرچ انجمن کی مقامی شاخ برداشت کرے اور اس غرض سے اسکولوں کے لیئے زمین اور اساتذہ کی تنخواہوں کے لیئے فنڈ جمع کرے اور حکومت سے بھی امداد حاصل کرے۔

(۹) ان اسکولوں میں جہاں جہاں ضرورت ہو مذہبی تعلیم کا بھی انتظام ہو لیکن مذہبی تعلیم کا انتظام لازمی طور پر نہ ہو۔

(۱۰) اس اسکیم کو چلانے کے لیئے انجمن ایک مخصوص شعبہ قائم کرے جس میں ماہرین تعلیم اور ہر منزل کے اساتذہ کی مناسب نمایندگی ہو۔

اب یہ بات مسلّم ہے کہ ابتدائی تعلیم اگر مادری زبان میں نہ ہو تو جو کسر رہ جاتی ہے وہ ساری عمر پوری نہیں ہو سکتی۔ خاص طور پر لڑکیوں کی تعلیم مادری زبان میں، لڑکوں سے بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ لڑکیوں کی سیرت کی صحیح بنیاد کا اثر بالآخر زیادہ ہمہ گیر اور دور رس ہوتا ہے، حکومت کے فرض کو تھوڑی دیر کے لیئے بھول جائیے تو خود ہمارا فرض ہے

کہ ہم اپنے بچوں کو ان کی مادری زبان کے ذریعہ سے تعلیم دلائیں۔ اس کام کے لئے ہمیں اساتذہ کی مناسب تعداد کا انتظام کرنا ہے، کتابوں کی فراہمی کا خیال رکھنا ہے اور سب سے زیادہ کتابوں کے معیار کو بھی ذہن میں رکھنا ہے۔

اب تک زبان سکھانے کے کام کو بہت آسان سمجھا گیا ہے۔ یہ نہایت مشکل کام ہے۔ اس کے لئے استادوں کو نہ صرف زبان پر پورا عبور ہونا چاہئے بلکہ بچوں کی نفسیات کا بھی ماہر ہونا چاہئے۔ اس منزل پر مردوں سے زیادہ خواتین مفید ہوتی ہیں۔ کم لوگوں کو اس بات سے اختلاف ہوگا کہ ابتدائی منزل پر مخلوط تعلیم دی جا سکتی ہے۔ ثانوی منزل پر علیحدہ علیحدہ ادارے ہونے چاہئیں۔ اگر ابتدا میں زبان کے علم کے ساتھ اس کے اچھے اور معیاری نمونوں سے کچھ آگاہی ہو جائے تو طلبہ زندگی کی ہر منزل پر زبان و ادب سے دلچسپی برقرار رکھتے ہیں۔ انجمن کو اس کام کے لئے اُردو کے اُستادوں، ماہرین لسانیات اور ماہرین تعلیم تینوں کے تجربے سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور تینوں کی مدد سے نصاب کی کتابیں تیار کرنی چاہئیں۔ یہ کتابیں صاف ستھری چھپی ہوئی اور جابجا تصویروں سے مزین ہوں۔ اس سلسلے میں رسم خط میں ایسی اصلاحیں بھی کرنی چاہئیں جو تعلیمی نقطۂ نظر سے ضروری ہوں۔ زبان کوئی جامد اور بندھی ٹکی شے نہیں ہے۔ ایک طرف اس میں تغیر کا سلسلہ برابر رہتا ہے دوسری طرف اس میں تسلسل بھی ضروری ہے، زبان کا بنیادی ڈھانچہ وہی رہنا چاہئے، ہاں اس میں ہر علاقے کی ضروریات اور جدید دور کی ضروریات، دونوں کی گنجائش ہونی چاہئے۔

اُردو دوستوں کے لئے اگلے چند سال بہت اہم ہیں اگر انہوں نے عزم و ہمت سے کام لیا۔ اس تہذیبی اور ادبی امانت کو دیانت کے ساتھ اگلی نسلوں تک پہنچا دیا جو انھیں ورثے میں ملی ہے ان کو وہ جمالیاتی، اخلاقی اور سماجی قدریں دے دیں جو زبان و ادب کے ذریعہ سے عام ہوتی ہیں، ان کی سیرت و شخصیت کی تعمیر کے لئے صحیح خطوط قائم کر دیئے، تو وہ نہ صرف خود ترقی کریں گے بلکہ ملک و قوم کو بھی آگے بڑھانے میں کامیاب ہوں گے۔ یہ جمہوریت کا دور ہے اس میں سب کے خون جگر کی آب و تاب ہونی چاہئے۔ اور سبھی کے خون جگر سے ملک کی چمن بندی صحیح خطوط پر ہو سکتی ہے۔ جمہوریت ہر ویرانے میں پھول کھلانے ہر تاریک گوشے کو منور کرنے ہر شکست رفتار کو طاقت پرواز دینے ہر رنگ میں بہار کا ثبوت دینے کا دوسرا نام ہے۔ قوم اس وقت ترقی کر سکتی ہے جب اس کے تمام افراد اپنے اپنے راستے سے منزل مقصود کی طرف گامزن ہوں۔ جمہوریت اکثریت سے مطالبہ کرتی ہے کہ اقلیت کے حقوق کی پاس داری کرے۔ وہ اقلیت کو سکھاتی ہے کہ وہ اکثریت سے علیحدہ اور بیزار نہ ہو بلکہ اس کے دوش بدوش چلے تاکہ اس کا وطن اور اس کی قوم اپنی منزل مقصود کی طرف گامزن ہو سکے۔

مجھے فخر ہے کہ ہماری بہار کی ریاستی شاخ حوصلہ مند باعمل اور جاندار لوگوں کا ادارہ ہے۔ اس کا کارنامہ آج بھی کسی سے کم نہیں ہے۔ بلکہ بہت سوں کے لئے لائق تقلید ہے۔ اس نے بہت سی گرہوں کو سلجھایا ہے۔ اور بہت سے کانٹے راہ سے نکالے ہیں مگر اب اس کی صلاحیت کا امتحان ہے۔ اس لئے یہاں کے اُردو دوستوں سے یہ امید ہوتی ہے کہ وہ حکومت سے اپنے حقوق کو منوانے کے ساتھ ساتھ اپنا فرض بھی ادا کریں گے۔ اور ہر قدم پر اُردو کے اسکولوں کا ایک ایسا جال بچھا دیں گے کہ آگے کی ہر منزل خود بخود آسان ہوتی جائے گی اس کام کے لئے جہاں حوصلے اور ولولے کی ضرورت ہے وہاں اتحاد و اتفاق کی بھی، آپ جس سے جو کام لے سکتے ہیں لیجئے۔ ایک دوسرے پر اعتراضات میں اپنی قوت ضائع کرنے کے بجائے اس کو سنبھال کر رکھئے۔ یہ بڑی دولت ہے۔ اس میں بجلی کا خزانہ ہے۔ اس دولت سے زندگی کی تاریک راہوں میں ان گنت شمعیں جل اُٹھیں گی اور آگے کا سفر مسرتوں اور برکتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہو جائے گا۔

اقبال کے الفاظ میں عشق کو اب عقل خداداد کی پیروی کرنی ہے۔ اسے جستجو میں گرم مگر گفتگو میں نرم ہونا ہے۔ ہمیں آج جوشیلی تقریروں اور فلک شگاف نعروں کی ضرورت نہیں۔ اس سعی پیہم کی ضرورت ہے جس کے سامنے بالآخر ہر مشکل سپر ڈال دیتی ہے۔ بہار کی اُردو کی تحریک اب اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کر رہی ہے اس مہم میں شرکت اور اس کے لئے بھرپور سعی آپ کو مبارک۔

قاضی معراج الدین صاحب دھولپوری کا انتقال

عبدالمجید خاں صاحب تاجر عطر دھولپور نے یہ افسوس ناک اطلاع دی ہے کہ جناب قاضی معراج الدین صاحب کا ۱۱ر اکتوبر ۱۹۶۳ء کو انتقال ہو گیا۔ موصوف انجمن کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتے تھے اور اچھا علمی مذاق رکھتے تھے۔ اکثر ہماری زبان میں مختلف موضوع پر مضمون لکھا کرتے تھے۔ کچھ عرصے سے وہ بیمار تھے۔ اور اسپتال میں داخلہ بھی لے لیا تھا۔ اس بیماری سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔

واست دہندوں کیلئے جن میں خواتین بھی شامل ہیں
واست کے فارم پر پاسپورٹ سائز کا فوٹو چسپاں
سے کم عمر کے بچے اس سے مستثنیٰ ہیں۔
چاہیئے جس کی دو کاپیاں ہونا ضروری ہیں اگرچہ
علیحدہ دو فارموں پر انکے باپ یا سرپرست
کی تصدیق کے لئے باقاعدہ پیدائش کا سرٹیفکیٹ
امر کا ہونا چاہیئے کہ درخواست دہندہ نے
سٹری سرٹیفکیٹ بھی اس امر کا ہونا ضروری ہے
ں مندرجہ ذیل تفصیلات ہونا ضروری ہیں ؛-
یخ پیدائش (۶) قومیت ہندوستانی یا غیر ہندوستانی
دوستان میں اپنے وارث کا نام (۹) جہاز کا
دوسرے جہاز کا نام (۱۰) درجہ جس میں جگہ
رخواست دہندہ (۱۲) درخواست کی تاریخ۔
لئے طریقہ حسب ذیل ہوگا :

کے ساتھ ہر بالغ کا پورا کرایہ ۱۲/۱۴۲۵ روپے
تک دو سال کے بچے کا ۲۰۲/۱۰ روپے پیشگی
مغل لائن کے نام بھیجے کے ذریعہ بھیجا جائے۔
میں بینک ڈرافٹ یا نقد روپیہ بھیجا جائے
کل میں درج ہونی چاہیئے۔ ورنہ وہ

دی کی جائے گی جس میں جہاز کا نام اور رجسٹریشن
وقت اس نمبر کا ضرور حوالہ دیں۔
لٹ تمام رکھنا چاہیئے ، کیونکہ ٹکٹ
بمبئی میں ٹکٹ گھر کے عملے کے حوالے کر دیں

کے لئے ہیں لیکن ہر بالغ کا پورا کرایہ ۱۳۵۶/۱۲
سال تک کی عمر کے لئے ۵۵۱/- درخواست
نامے کے آجانا چاہیئے۔
چاہتے ہیں انہیں ڈیک کلاس کیلئے پیراگراف
مطابق ان کی جگہ کا بھی ریزرویشن کردیا جائے
ہیں کی جائیں گی۔

(۶) **ویٹنگ لسٹ :** ڈیک کلاس یا فرسٹ کلاس کے ویٹنگ لسٹ کا الگ سے کوئی اعلان نہیں ہوگا۔ جن درخواستوں کی نشستوں کا قطعی تحفظ نہ ہو سکے گا وہ ہر درجے کی متعینہ تعداد کو پورا کرنے کی غرض سے خود بخود ویٹنگ لسٹ میں درج کر دی جائیں گی۔ عازمین حج کو ہدایت کی جاتی ہے کہ حسب ترتیب جگہ کے تحفظ کا انتظار کریں۔ ویٹنگ لسٹ میں جو درخواستیں مقررہ اندراج اور ریزرویشن سے زیادہ ہوں گی وہ واپس کر دی جائیں گی۔

(۷) **بکنگ کی ابتدا :** عوام کی معلومات کے لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ دفتر کی کھڑکی پر کوئی درخواست نہیں لی جائے گی ، اس لئے تمام درخواستیں مذکورہ بالا طریقے پر یا تو رجسٹری یا بیمے کے ذریعے اس طرح بھیجی جائیں کہ کمپنی کے پاس ۱۱ر نومبر سنہ ۱۹۶۳ء یا اس کے بعد پہنچ جائیں۔ اس تاریخ سے پہلے پہنچنے والی درخواست واپس کر دی جائے گی۔

(۸) **تنسیخ نشست :** اگر کوئی عازم حج اپنی نشست کو منسوخ کرانا چاہتا ہے تو وہ اپنی مقرر کردہ نشست کے منسوخ کرانے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ ۳۱ر دسمبر ۶۳ء تک بھیج دے ورنہ اس کی رقم میں سے ادائگی کے وقت دس فی صدی وضع کر لیا جائے گا۔ مندرجہ ویٹنگ لسٹ عازمین کو بھی مقررہ جہاز کی روانگی سے دس دن پہلے اپنی سیٹ کے منسوخ کرانے کی اطلاع دے دینی چاہیئے ورنہ ان کی رقم میں سے بھی دس فی صدی وضع کر لئے جائیں گے۔

(۹) عازمین حج سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اپنے کنبے کے افراد ، رشتہ داروں ، دوستوں اور اپنے ان محلہ داروں سے صلاح ومشورہ کر لیں جو امسال فریضۂ حج ادا کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اس کے بعد وہ اپنی پسند کے بحری جہاز میں جگہ مقررہ تعداد میں محفوظ کرانے کی درخواستیں ایک ساتھ بھیجیں تاکہ وہ حسب دلخواہ ایک ساتھ سفر کر سکیں۔

کوئی عازم حج اپنے نام کے بدلے میں کسی اور کا نام درج نہیں کرا سکتا ہے اور ایک جہاز کے ریزرویشن کو دوسرے جہاز میں بھی منتقل نہیں کرا سکتا ہے۔

(۱۰) **غیر ملکیوں کے لئے :** جو غیر ہندوستانی باشندے حاجیوں کے جہاز میں بمبئی سے جدہ تک نشست محفوظ کرانا چاہتے ہیں وہ ہندوستان میں اپنے سفارتی نمائندوں کے ذریعے درخواستیں بھیجیں بشرطیکہ ان کے پاس بین الاقوامی پاسپورٹ اور سعودی عربیہ کا منظور کردہ ویزا ہو۔ اور حج سے فارغ ہونے کے بعد جدہ سے بمبئی کے واپسی سفر کے باقاعدہ ویزا کا دوبارہ اندراج ہو۔ ایسے عازمین حج کے لئے صرف ڈیک کلاس کی نشست ایم۔ ایس سعودی میں محفوظ کی جا سکے گی جس کی بمبئی سے متوقع روانگی ۱۳ر اپریل سنہ ۱۹۶۳ء کو ہے۔

(۱۱) عازمین حج سے گزارش ہے کہ وہ یہ نوٹ کر لیں کہ جدہ سے بمبئی واپسی کے لئے ہندوستانی سفارت خانہ مقیم جدہ میں اسی ترتیب سے نشستیں الاٹ کی جائیں گی جس ترتیب سے وہ جدہ میں پہنچیں گے۔

(۱۲) حج کے بارے میں مزید معلومات کے لئے ایگزیکٹیو آفیسر پورٹ حج کمیٹی کارنیک روڈ بمبئی کو لکھیئے۔

(۱۳) جگہ کے تحفظ کے سلسلے میں پوری تفصیلات کے لئے درج ذیل پتہ پر لکھیں :-

دی مغل لائن لمیٹڈ

۱۶- بینک اسٹریٹ فورٹ بمبئی ۱

THE MOGULLINE LIMITED

16. BANK STREET , FORT BOMBAY-1.

ٹیلیفون نمبر

ہیڈ آفس	۲۵/۳۸۰۲۲
بکنگ آفس	
صابو صدیق مسافر خانہ کرناک روڈ بمبئی ۱	۲۶۱۸۹۸

چھوٹی بچت کی اسکیم میں شرکت کیجئے اور اپنے ملک کی مدد کیجئے

مراسلات

راجپوتانہ گزٹ

۲۲ر ستمبر کے پرچہ میں سید فضل المتین صاحب کا مضمون "راجپوتانہ گزٹ" پر شایع ہوا ہے۔ اس کے متعلق بعض باتیں دریافت طلب ہیں۔

(۱) اختر شاہنشاہی میں اس اخبار کا اجرا ۱۸۸۴ء میں لکھا ہے۔ سید صاحب نے ۱۸۷۹ء میں۔ دونوں میں کون صحیح ہے؟

(۲) اختر شاہنشاہی نے اس کے ایک ضمیمہ "راجپوتانہ پنچ" کا بھی ذکر کیا ہے یہ کہاں تک صحیح ہے!

(۳) اختر شاہنشاہی نے "راجپوتانہ اخبار" نام ایک پرچہ کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ۱۸۷۹ء میں جاری ہوا۔ کہیں یہ وہی اخبار تو نہیں جسے گارسن دتاسی نے "راجپوتانہ گزٹ" لکھا ہے۔

(۴) مالک رام صاحب نے تلامذۂ غالب میں حکیم محمد مراد علی کا ذکر کیا ہے مگر یہ نہیں لکھا کہ وہ اخبار کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ صرف یہ لکھا ہے کہ وہ اودھ پنچ کے نامہ نگار تھے۔ کیا اخبار کی ایڈیٹری محض فسانہ تو نہیں؟

(۵) سید صاحب محترم نے ۲۲ر فروری کے ہماری زبان میں تحریر فرمایا ہے کہ ہوشیار آخر عمر میں بیمار رہنے لگے تھے، اس لئے بیمار تخلص کر لیا۔ اس بات کا ثبوت کیا ہے؟ جب کہ اس کا ذکر نہ خمخانۂ جاوید میں ہے، نہ تذکرۂ ضیغم میں اور نہ تلامذۂ غالب میں۔

(۶) تلامذۂ غالب میں لکھا ہے کہ "مراد علی بیرونی ممالک کی سیر سے لوٹے تو محکمۂ پولیس میں سررشتہ داری اور انسپکٹری کے عہدوں پر فائز رہے" اگر یہ سچ ہے تو سرکاری نوکری سے اُن کو اتنی فرصت کہاں ملتی تھی کہ اخبار نکالتے؟ اس پر روشنی ڈالیں۔

(۷) ۲۲ر فروری کے ہماری زبان میں مراد علی کے متعلق لکھا ہے کہ اجمیر پہنچ کر کچھ عرصے بعد اخبار راجپوتانہ گزٹ کی ایڈیٹری شروع کی۔ کیا "کچھ عرصہ" ۹ برس تک طویل ہو سکتا ہے۔ جب کہ یہ بیان کیا گیا ہو کہ وہ ۱۸۷۰ء میں اجمیر آئے۔ اس سے یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ راجپوتانہ گزٹ مراد علی نے خود جاری نہیں کیا تھا بلکہ ۱۸۷۹ء میں وہ اس کے ایڈیٹر بنا دئے گئے تھے۔ اخبار پہلے سے جاری تھا۔ سید صاحب اس پر بھی روشنی ڈالیں۔

(شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی۔ از لاہور)

یہ شعر کس کا ہے؟

میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ شعر جو بغلط حافظ شیرازی سے منسوب ہے کس کا ہے؟

مغاں کہ دانۂ انگور آب می سازند
ستارہ می شکنند آفتاب می سازند

کوئی صاحب توجہ فرمائیں۔　(نثار احمد فاروقی)

چند باتیں

ہماری زبان ۸ر اکتوبر ۱۹۶۳ء کے اداریے "یوم پریم چند" میں اقبال ورما سحر ہنگال چھپا ہے۔ یہ لفظ ہتگامی ہے۔ (ہت گام ایک قصبہ کا نام ہے) اور اُن کا تخلص 'سحر' (بمعنی جادو) ہے، نہ کہ سحر (بمعنی صبح)

ایک صاحب نے اس شعر کے بارے میں دریافت کیا ہے:

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے انداز
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

اس میں انداز نہیں "آثار" ہے۔ اور یہ داغ کا نہیں راقم الدولہ ظہیر دہلوی شاگرد داغ کا شعر ہے۔ اُن کے دیوان میں موجود ہے۔

دوسرے صاحب نے طالب اکبرآبادی کا حال دریافت کیا ہے۔ ان کا ذکر تلامذۂ غالب میں موجود ہے مگر مختصر۔ میں نے آگرے کے کسی قدیم رسالے میں ان پر ایک مفصل مضمون دیکھا تھا، اس وقت اپنے یادداشت کے کاغذ کھنگالے وہ حوالہ ہاتھ نہیں آیا۔　(نثار احمد فاروقی)

عـہ (نوٹ) ہم نے ہتگامی ہی لکھا تھا۔ کاتب نے اُسے ہنگالی لکھ دیا۔ (ادارہ)

مشورے

ہر چند کہ اُردو کے ساتھ ناانصافیوں کا سلسلہ بڑھتا ہی جاتا ہے اور آئندہ چند سالوں میں اس کی ترویج کے لئے حکومت کی طرف سے کسی "اشارۂ کرم" کی امید نہیں، تاہم یہ بات محسوس کی جا رہی ہے کہ ذہنی تنگ نظریوں سے بلند اُردو داں حضرات اور زیادہ تر طلبہ پر مشتمل جدید طبقہ اُردو میں کافی حد تک دلچسپی محسوس کرتا ہے۔ اس بات کا ایک بیّن ثبوت یہ ہے کہ دلی کالج میں اُردو سوسائٹی کی طرف سے کالج کے مختلف اوقات میں اس قسم کے لوگوں کے لئے اُردو کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے اور طلبہ کی ایک قابل قدر تعداد نے ایسی کلاسوں میں شمولیت کی۔

خیال ہے کہ مختلف مقامات پر تعلیمی اور غیر تعلیمی اداروں میں اگر اس قسم کا سلسلہ شروع کر دیا جائے تو اُردو کے لئے کافی سود مند ثابت ہوگا۔

اسی طرح اگر وقتاً فوقتاً مشاعروں کا انتظام بھی کیا جائے جو کہ نفسیاتی طور پر اُردو سے دلچسپی رکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اُردو کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا ہے۔　(راشد الناصر ہاشمی دہلی)

ضروری اعلان: براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔　منیجر

اختر بستوی

حقیقتِ مبہم

اک تکلّم جس پہ ہوتا ہے گمانِ خامشی
اک ترنّم جس سے کرتی ہے عداوت راگنی
ایک ذرّہ جس میں ہیں صحرا کی ساری وسعتیں
ایک دریا جس سے رہ جاتا ہے کوزہ بھی تہی
ایک خالی جام جس سے رِند ہو جاتے ہیں سیر
اک صُراحی مے کی ، جو دیتی ہے سب کو تشنگی
اک اندھیرا جس سے ہوتی ہیں فروزاں مشعلیں
اک اُجالا جس سے بڑھتی ہے سیاہی اور بھی
ایک مبہم سی حقیقت ، ایک رازِ منکشف
سوچتا رہتا ہوں اکثر کیا ہے آخر زندگی ؟

شکیب ایاز

سوادِ مرگ

ہائے ادراک کہ لرزاں لرزاں
نگہِ شوق کہ حیراں حیراں
آگہی ، ہوش و خرد بھی گمراہ
جستجو ، فکر و نظر بھی محبوس
کیف و مستیِ مئے ناب بھی سرد
دل کا ہر شعلۂ احساس خموش
آرزو ، رقصِ تمنّا بوجھل
موجِ خوں ہر رگ و پے میں ساکت
بند رفتارِ عمل ، نبضِ حیات
زندگی وقت کے چوراہے پہ
نوعِ انساں کا جنازہ لے کر
موت سے جیسے صلح کر لے گی

رئیس مینائی

نذرِ نظر حیدرآبادی

آشفتگانِ زیست کا چہرہ اُتر گیا
اے موت آج تیرا مقدر سنور گیا
وہ کیا ڈرے گا قبر کی تاریکیوں میں بھی
راہِ ادب میں جس کا اُجالا بکھر گیا
اب محفلِ حیات ہے سونی پڑی ہوئی
بزمِ جہاں سے کون یہ صاحب نظر گیا

ہماچل کے اسکولوں سے اُردو ہٹانے کی ناکام کوشش

(روزنامہ پرتاپ جالندھر ۱۴ر اکتوبر ۱۹۶۳ء سے) شملہ ۱۱ اکتوبر ہماچل اسمبلی میں کانگریس ممبر شری پدم دیو کی طرف سے پیش کیے گئے اس غیر سرکاری رزولیوشن پر بحث ہوئی جس کی رو سے ہماچل پردیش کے اسکولوں میں تین زبانوں کی پڑھائی کے سلسلے میں بنائے گئے فارمولا کے تحت اُردو کی جگہ سنسکرت پڑھانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ شری پدم دیو نے اس رزولیوشن کے حق میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ میں نے یہ رزولیوشن اسکولوں میں اُردو پڑھانے والے ٹیچر نہ ملنے کی وجہ سے پیش کیا ہے۔ نیز سنسکرت کی پڑھائی شروع ہونے سے طلبہ کی ہندی کے متعلق واقفیت میں اضافہ ہو گا۔ وزیر تعلیم شری کرم سنگھ نے اس ریزولیوشن کی مخالفت کی اور کہا کہ جب ہماچل کے اسکولوں میں تین زبانیں پڑھانے کا فارمولا رائج ہوا تھا تو ہماچل کے محکمۂ تعلیم نے اسٹیٹ پلاننگ بورڈ اور پنجاب یونی ورسٹی کے مشورے سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اسکولوں میں ہندی اور انگریزی کے ساتھ ساتھ سنسکرت بطور تیسری زبان ... پڑھائی جائے مگر مرکزی وزارتِ تعلیم نے یہ اعتراض اٹھایا تھا کہ سنسکرت ایک کلاسیکل زبان ہے نہ کہ ماڈرن زبان جو کہ اس فارمولا کا حقیقی منشا ہے۔ چنانچہ اس اعتراض کے بعد ہماچل کے اسکولوں میں اُردو تیسری زبان کے طور پر رائج کر دی گئی۔ کیونکہ اسکولوں کے سب ٹیچر اُردو جانتے ہیں۔ جہاں تک سنسکرت کا تعلق ہے یہ زبان پڑھانے والے ٹیچر مشکل سے ملتے ہیں۔ وزیر تعلیم نے یہ بھی انکشاف کیا کہ اگلی اپریل سے اسکولوں میں جو نیا تعلیمی سلیبس رائج کیا جا رہا ہے اس کے تحت ہندی، انگریزی اور اُردو کے علاوہ چھٹی سے آٹھویں جماعت تک سنسکرت کی پڑھائی لازمی قرار دے دی گئی ہے چنانچہ اس یقین دہانی کے بعد شری پدم دیو نے اپنا رزولیوشن واپس لے لیا۔ دیگر کئی ممبروں نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

میسور میں نصابی کتابیں

میسور کے ہفت وار تنظیم (۲۲ ستمبر) نے شکایت کی ہے کہ تعلیمی سال ختم ہونے کو آیا مگر بعض درجوں کی منظور شدہ نصابی کتابیں اب تک نہیں مل رہی ہیں۔ پانچویں اور چھٹے کلاس کی اُردو کتابیں اب تک شائع نہیں ہوئیں۔ محکمۂ تعلیمات کی انتہائی غفلت کا یہ نتیجہ ہے کہ اُس نے ڈیپارٹمنٹ کی کتابوں کی فراہمی کا اب تک کوئی انتظام نہیں کیا۔ اس کے علاوہ اُردو نصاب کی اکثر کتابوں کی چھپائی جو محکمہ اور پرائیویٹ فرموں کی ہیں افسوس ناک ہے۔ خصوصاً ابتدائی درجوں کی کتابوں کے اکثر صفحوں سے کہیں سطریں کی سطریں غائب ہیں کہیں الفاظ کے الفاظ ندارد۔ خط اتنا باریک کہ کم سن بچوں کی نظر ایک لفظ کے بعد دوسرے پر آسانی سے پڑ نہیں سکتی۔ لکھائی چھپائی اتنی خراب کہ اس ترقی یافتہ دور میں ایسی کتابیں درحقیقت محکمۂ تعلیمات پر بدنما دھبہ ہیں۔

ڈاکٹر انصار اللہ نظر　　　گزشتہ سے پیوستہ

تذکرۂ گردیزی

"عمدۃ الملک امیر خاں انجام کے متعلق لکھا ہے کہ آج سے چھ سال قبل رحمت ایزدی سے جا ملے انھوں نے ۲۲ ذی الحجہ ۱۱۵۹ھ کو شہادت پائی... لہٰذا یہ عبارت ۱۱۶۶ھ کے آخر یا ۱۱۶۷ھ کے آغاز میں لکھی جانی چاہیے"

انجام کی شہادت کو ۲۲ ذی الحجہ ۱۱۵۹ھ میں چھ سال پورے ہو گئے، اس کے بعد ساتواں سال شروع ہو گا، ان کے حالات ۱۱۶۶ھ میں لکھے جاتے تو گردیزی کو بجائے چھ کے سات یا آٹھ سال لکھنا چاہیے تھا۔

"دلاور خاں بیرنگ کو لکھا ہے کہ چند سال ہوئے کہ اس کا انتقال ہو گیا، یہ شخص نکات الشعرا کی ترتیب کے وقت زندہ تھا اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ختم نکات تک زندہ تھا تو پھر اس کا یہ مطلب ہو گا کہ گردیزی نے اس کا حال کم از کم ۱۱۶۰ھ میں لکھا ہے"

دوسرے موقع پر نکات الشعرا کے زمانۂ تالیف کا تعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ گردیزی نے بیرنگ کا حال آخر ۱۱۶۵ھ میں لکھا ہے تو اس کا سال انتقال ۱۱۶۲ھ قرار پائے گا"

ظاہر ہے کہ بیرنگ کا سال انتقال ۱۱۶۲ھ ہو گا یا ۱۱۶۵ھ اسی طرح گردیزی نے اس کا حال ۱۱۶۵ھ میں لکھا ہو گا یا ۱۱۶۰ھ، دونوں سال ممکن نہیں، بہتر صورت یہ ہے کہ قیاس ثانی الذکر کو تسلیم کر لیں، اس سے نکات الشعرا کے متعلق مولانا کی بحث پر اثر بھی نہ پڑے گا اور گردیزی کے بتائے ہوئے سال اختتام تذکرہ کو بھی آگے بڑھانے کی ضرورت نہ پیش آئے گی۔

"اگر یہ کہا جائے کہ (چند سے) گردیزی کی مراد ہر جگہ نو ہے تو پھر ان (ساماں، اشتیاق اور انساں) کا حال علی الترتیب ۱۱۵۶ھ، ۱۱۵۹ھ اور ۱۱۶۲ھ میں لکھا ہو گا"

مولانا خود ہی فرماتے ہیں کہ "چند کا لفظ ۳ سے ۹ تک کے اعداد پر بولا جا سکتا ہے" پھر معلوم نہیں کہ گردیزی پر یہ پابندی کیوں عاید کی جاتی ہے کہ وہ ہر موقع پر چند کا لفظ ۹ سال ہی کے لیے استعمال کرے، اگر یہ کہا جائے کہ تحریر حالات کے وقت تک انساں کی وفات کو چار سال کے قریب گزرے تھے اور گردیزی نے "چند" سے اسی قدر مدت مراد لی تھی تو بھی کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔ گردیزی نے لفظ چند کا استعمال اکثر کیا ہے۔ احسن اللہ احسن کے حال میں لکھتا ہے :-

"سال چندے پیش چشم از نظارہ دنیا پوشید" (۱۸)

احسن کو تمام تذکرہ نویسوں نے آبرو اور مضمون کا ہم طرح بتایا ہے ان کے انتقال کو اس وقت کافی عرصہ ہو چکا تھا۔ (آبرو کا انتقال بقول عالی جناب قاضی عبدالودود صاحب ۱۱۴۳ھ میں ہوا بحوالہ معاصر اگست ۱۹۵۵ء ص ۱۰۳) لیکن گردیزی نے اس طویل مدت کو "چند" سال سے ہی تعبیر کیا ہے، اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ تذکرہ نویسوں کی اس قسم کی اطلاعات کے لیے بیشتر زبانی روایتوں پر یقین کرنا پڑتا تھا چنانچہ غلطی کے تمام تر امکانات رہ جاتے تھے، ساماں اور اشتیاق وغیرہ کا صحیح سال وفات یقیناً گردیزی کو معلوم نہ ہو سکا تھا اسی لیے اس نے ان مواقع پر لفظ "چند" کا استعمال کیا۔ اس موقع پر چند مثالوں سے بات شاید زیادہ صاف ہو سکے۔

میر باقر حزیں کے سلسلۂ حالات میں گردیزی کا بیان ہے کہ "ودیعت حیات را بمقتضائے اجل سپرد" (۳۷) دراں حالیکہ میر حسن اپنے تذکرہ میں حزیں کے لیے کہتے ہیں: "خدا ایش سلامت دارد" (۴۰) ظاہر ہے کہ گردیزی کو غلط اطلاع ملی، لیکن اگر اسی کو بنیاد بنا کر کہنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ میر حسن کے تذکرہ کے آغاز کے بعد تک گردیزی کے تذکرے میں اضافے کا سلسلہ جاری رہا لیکن یہ قیاس ظاہر ہے کہ غلط ہو گا۔

اسی طرح شاہ مبارک آبرو کے سلسلے میں گردیزی کا قول ہے کہ :-

"آبرو ... بزم آرائے معانی است ... در نارنول مدتے بہ رفاقت حضرت ہجوی وام ظلہٗ بسر بردہ" (۸)

اس میں کہیں اشارہ بھی نہیں کہ اس وقت تک آبرو کا انتقال ہو چکا تھا، اب اگر اس اقتباس کی بنیاد پہ رائے قائم کی جائے تو یہی کہا جائے گا کہ گردیزی نے اپنے تذکرہ کا آغاز ۱۱۴۳ھ سے پہلے کر دیا تھا اس وقت اس کی عمر ۱۰ برس سے بھی کم ہو گی (دیباچہ دستور : ۴۹) جو تذکرہ نگاری کے لیے کم معلوم ہوتی ہے۔

مرزا مظہر جانجاناں کے حال میں لکھا ہے:

"عمر شریفش بہ پیالش خطوۂ ستین است ...."

مرزا صاحب کا سال ولادت ۱۱۱۰ھ سے ۱۱۱۳ھ تک بتایا جاتا ہے ... ان کا حال ۱۱۷۰ھ میں لکھا جانا چاہیے" (دیباچہ دستور : ۴۹)

اس کا حال بھی وہی ہے، یہ صحیح ہے کہ گردیزی عام طور پر عمر نہیں لکھتا اس لیے یقیناً سوچ سمجھ کر مرزا صاحب کی عمر کا "اندازہ" لکھا ہو گا، لیکن اندازہ بہرحال اندازہ ہے،

پھر "خطوۂ ستین" سے پورے ساٹھ ہی مراد لینا کیا ضرور ہے "تقریباً ساٹھ" کیوں نہ سمجھیں؟ مرزا مظہر صاحب کی عمر میں اختلاف رائے کا ہمیں علم ہے۔ آزاد اور مصحفی ان کی عمر اسی سال بتاتے ہیں، البتہ آزاد کے بموجب وفات سنہ ۱۱۹۴ھ میں ہوئی اور مصحفی کے قول کے مطابق سنہ ۱۱۹۵ھ میں، مرزا علی لطف اور علی ابراہیم خاں خلیل کے بیان کے مطابق انتقال کے وقت سنہ ۱۱۹۴ھ میں عمر تقریباً سو سال تھی اس طرح ولادت کے سال سنہ ۱۰۹۴ھ، سنہ ۱۱۱۴ھ، سنہ ۱۱۱۵ھ اور سنہ ۱۱۱۱ھ تا سنہ ۱۱۱۳ھ وغیرہ معلوم ہوتے ہیں، اب یہ طے کرنا کہ گردیزی نے ان میں سے کس سال کو صحیح سمجھا تھا نہایت دشوار ہے۔ اگر اول الذکر کو مانیں تو ان کا حال سنہ ۱۱۵۴ھ میں لکھا جانا چاہیے تھا، غرض یہ اقتباسات خود گردیزی کے بتائے ہوئے سال اختتام تذکرہ کے تابع ہیں، ان کی بنیاد پر اس میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ تذکرہ سے دو مثالیں اور پیش کرتا ہوں۔

"لسان میر کلیم اللہ لسان ... چندی برفاقت فقیر بسر بردہ ...... رخت بہ سرائے خاموش کشید" (۱۳۰)

گلزار ابراہیم میں ہے کہ:

"بعہد احمد شاہ بادشاہ ارتحال نمود" (۲۰۸)

احمد شاہ کا زمانہ سلطنت سنہ ۱۱۶۱ھ سے سنہ ۱۱۶۷ھ تک کا ہے۔ گردیزی نے اپنا تذکرہ ۵ محرم سنہ ۱۱۶۶ھ کو مکمل کیا۔ لسان کی وفات اغلب ہے کہ اس کے بعد ہوئی۔ محتشم علی خاں حشمت کا ذکر اس طرح کیا ہے گویا ماضی کی بات ہے ان کا انتقال سنہ ۱۱۶۳ھ میں ہوا، ظاہر ہے کہ ان کے حالات اس کے بعد لکھے ہوں گے۔ اس طرح ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ گردیزی نے اپنا تذکرہ ۵ محرم سنہ ۱۱۶۶ھ میں مکمل کر لیا تھا، اس کے آغاز کے متعلق موجودہ حالات میں صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ گردیزی نے نکات الشعرا کے جواب میں یہ تذکرہ لکھا ہے تو یہ بات بھی تسلیم کی جاسکتی ہے کہ اس کا آغاز سنہ ۱۱۶۱ھ کے بعد ہوا کیونکہ اس وقت تک نکات الشعرا کی تالیف کا کام مولانا عرشی صاحب کی تحقیق کے مطابق شروع ہو چکا تھا۔

گردیزی کی خوبی یہ ہے کہ اس نے جواب لکھنے کے باوجود صرف تقلید نہیں کی بلکہ خود حالات اور اشعار فراہم کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کے باوجود اسے اکثر نکات الشعرا سے استفادہ کرنا پڑا ہے اور بعض مطالب یقیناً اس نے اس سے اخذ کئے ہیں۔

روس میں اُردو کا ذوق بڑھ رہا ہے

(آزاد ہند کے اسٹاف رپورٹر کے حوالے سے)

کلکتہ۔ سوویت دیس کے دفتر میں سوویت یونین سے آئے ہوئے دو لغت نویسوں مسٹر وی آئی الکسیف اور وی لے ماکارینکو نے کلکتہ کے اخباری نامہ نگاروں سے کل ملاقات کی۔ یہ دونوں حضرات ان دنوں حکومت ہند کی دعوت پر ہندوستان کے دورے پر آئے ہوئے ہیں۔

مسٹر الکسیف سوویت یونین میں قومی اور بیرونی لغات کی دارالاشاعت میں ہندوستانی اور جنوب مشرقی ایشائی زبانوں کے عملے کے سربراہ ہیں اور روسی اُردو اور اُردو روسی، روسی ہندی، ہندی روسی لغات کے مصنف ہیں۔ اور مسٹر ماکارینکو اس ادارے کے سینئر ایڈیٹر اور تامل روسی لغت کے مصنف ہیں جو ۴۸ ہزار الفاظ پر مشتمل ہے۔ نیز اس وقت روسی تلگو، تلگو روسی اور روسی بنگالی لغات کی تیاری میں مصروف ہیں۔

مہمانوں نے پریس کانفرنس میں ہندوستانی زبانوں سے سوویت عوام کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ ہندوستانی زبانوں کی لغت نویسی کا کام روس میں سو سال سے بھی زیادہ عرصے سے ہو رہا ہے۔

ایک سوال کے جواب میں مسٹر الکسیف نے بتایا روسی اُردو اور اُردو روسی لغت کی تصنیف کے سلسلے میں سب سے زیادہ دشواریاں ضرب الامثال اور مقولوں کے ہم معنی مفہوم کو تلاش کرنے میں پیش آئیں اور اس سلسلے میں اُردو لغات سے عموماً اور "نور اللغات" سے خصوصاً بڑی مدد ملی۔

اخباری نامہ نگاروں کو بنگالی روسی لغت تحفے میں دی گئی۔

پریس کانفرنس کے خاتمے پر "آزاد ہند" کے نامہ نگار سے مسٹر الکسیف نے بڑی گرمجوشی سے اُردو میں باتیں کیں۔ اور اُردو زبان کے مسائل پر تبادلۂ خیالات کیا۔ انھیں یہ سن کر حیرت ہوئی کہ کلکتہ سے اس وقت اُردو کے پانچ روزانہ اخبارات نکلتے ہیں۔ (ایک روزانہ اخبار پچھلے ہی مہینے بند ہو گیا ورنہ کل تعداد چھ تھی) موصوف نے تحفے میں ایک پاکٹ سائز کی روسی اُردو لغت دی اور بتایا کہ لائبریری سائز کی لغت بہت ضخیم ہے، اور جلد ہی ہندوستان میں آجائے گی۔ آپ نے آزاد ہند کے لئے اُردو میں دستخط کرکے ایک تصویر بھی دی۔ انھوں نے کہا کہ اُردو میں روسی لغت کی تصنیف کے سلسلے میں انھیں دیگر حضرات کے علاوہ جناب ظ انصاری صاحب سے بڑی مدد ملی ہے۔ آپ نے بتایا کہ اُردو ادیبوں میں کرشن چندر، عصمت چغتائی اور راجندر سنگھ بیدی مجھے بہت پسند ہیں۔ موصوف اُردو شاعری کے بہت مداح ہیں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ سوویت یونین میں اردو جاننے والوں کی تعداد کافی ہے۔ آپ نے اُردو ادیبوں کی بہت سی کہانیوں کا روسی زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔

سرٹیفکٹ کے بغیر چھٹے درجے میں داخلہ

(اقتباس از ندائے ملت، مضمون قاضی محمد عدیل عباسی) ڈائریکٹر محکمہ تعلیمات اُتر پردیش کے دفتر سے مجھے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ گورنمنٹ نے یہ حکم دے دیا ہے کہ جونیر ہائی اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر صاحبان کو اب یہ اختیار دے دیا گیا ہے کہ درجہ چھ میں ٹیسٹ لے کر اُن بچوں کو بھی داخل کر سکتے ہیں جن کے پاس کسی تسلیم شدہ پرائمری اسکول کا باضابطہ سرٹیفکٹ نہیں ہے۔ یہ حکم پیرا ۱۷۳ ایجوکیشن کوڈ کے سلسلے میں دیا گیا ہے۔

نقل حکم نمبر ۶۳/ ۱۱۰-۱۷/ ۷۷×/۹۶ ۵/PL

جناب! شما پیرا "۱۷۳" ایجوکیشن کوڈ (مطبوعہ ۱۹۵۰ء) کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرتا ہوں اور یہ اظہار کرتا ہوں کہ گورنمنٹ نے حکم دیا ہے کہ اب جونیر ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹروں کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اُن لڑکوں کو بھی قابلیت کا ضروری امتحان لے کر درجہ (چھ) میں داخل کریں جنھوں نے کسی باضابطہ تسلیم شدہ پرائمری اسکول سے درجہ (۵) کا امتحان نہیں پاس کیا ہے۔ گورنمنٹ کے مندرجہ بالا حکم کی اطلاع تمام متعلقہ لوگوں کو دے دی جائے اور ضروری کارروائی کی جائے۔ آپ کا وفادار ایس۔ این مہروترا۔

میٹھی زبان

(قومی آواز کے حوالے سے) امریکی سفارت خانے کے کلچرل آفیسر مسٹر ٹام ایلسن نے بنارس ہندو یونیورسٹی میں امریکی نمائش کے افتتاح کے موقع پر مقامی اخباروں کے نمایندوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مجھے ہندوستانی زبانوں سے کافی دلچسپی ہے اس لئے میں یہاں اُردو اور ہندی سیکھ رہا ہوں۔ ان زبانوں کو میں سمجھ تو لیتا ہوں مگر بولنے میں دقت ہوتی ہے۔ نمایندہ قومی آواز کے ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ ہندی کے مقابلے میں اُردو سیکھنا کچھ مشکل تو ضرور ہے مگر اردو ہندی سے کہیں زیادہ میٹھی زبان ہے۔

جون پور زنانہ انٹر کالج میں اُردو

قومی آواز کو معتبر ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ یہاں اُن طالبات کے لئے جو اُردو پڑھنا چاہتی ہیں اُردو تعلیم کا انتظام ہو گیا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق ۲۰ طالبات یہاں اُردو پڑھ رہی ہیں۔ بڑی جد و جہد کر کے یہاں اُردو تعلیم کا انتظام کرایا گیا ہے۔

انڈونیشیا کی یونیورسٹی میں اُردو چیر

انڈونیشیا میں بنڈونگ کی پدجاجاران یونی ورسٹی میں ایک خصوصی تقریب ہندوستان کی وزیر صحت ڈاکٹر سوشیلا نائیر کے اعزاز میں ترتیب دی گئی تھی، اُس موقع پر یونیورسٹی کے ریکٹر پروفیسر سفود نے یونی ورسٹی میں جلد ایک اُردو چیر قائم کرنے کا اعلان کیا ہے۔

اسکولوں میں بچّوں کے داخلے کی مہم

(ناظم سے) لکھنؤ ۵؍اکتوبر۔ اُتر پردیش میں چھ سال سے گیارہ سال تک کی عمر کے اسکول جانے والے بچّوں کی تعداد بڑھانے کے لئے ۱۴؍اکتوبر سے سات دن کی ایک مُہم شروع کی جائے گی۔ امید کی جاتی ہے کہ اس مہم سے تیسرے منصوبے کے ختم ہونے سے پہلے اسکول جانے والے لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد فی صد بڑھ کر بالترتیب ۸۱ اور ۴۲ ہو جائے گی۔

داخلے کی پہلی مہم اتر پردیش میں سنہ ۱۹۶۱ء میں شروع کی تھی جب کہ اسکول جانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کا فی صد بالترتیب ۶۴ء۸۰ اور ۱۹ء۳۱ تھا۔ اس مہم کے نتیجے میں مارچ سنہ ۱۹۶۲ء کے آخر تک اُن کا فی صد بڑھ کر ۷۲ء۸۲ اور ۲۵ء۳۳۔ اور مارچ سنہ ۱۹۶۳ء میں بڑھ کر ۷۲ء۵۰ اور ۲۷ء۹۹ ہو گیا۔ آنے والی مہم کے تحت مخلوط اسکولوں میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں لڑکیوں کا داخلہ کرانے پر زور دیا جائے گا۔ علاوہ ازیں مخلوط اسکولوں اور دو شفٹوں کے سسٹم کو مقبول بنانے، اسکول کی عمارتوں کو بہتر بنانے اور بنیادی تعلیم کا معیار بلند کرنے پر بھی خاص توجہ کی جائے گی۔ اسکولوں کے ضلع انسپکٹر اپنے اپنے ضلع میں اس مہم کے انچارج ہوں گے۔

وحید اختر

تبصرے

میں کیوں سوچوں

جوگندر پال اُن نئے افسانہ نگاروں میں سے ہیں جنھوں نے بہت تھوڑی مدت میں پڑھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے، ان کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ "دھرتی کا کال" اردو افسانے کی دُنیا میں ایک خوش گوار اضافہ تھا۔ زیر نظر مجموعہ موضوعات کے لحاظ سے زیادہ متنوع ہے، جوگندر پال نے افریقی عوام کی زندگی کی دردمندانہ اور حقیقت پسندانہ جھلکیوں سے اُردو ادب کو پہلی بار روشناس کیا ہے۔ اس مجموعے میں اُن کا کینوس زیادہ وسیع ہے، اس دفعہ انھوں نے کہیں فینٹسی کی زمینوں میں کہانیاں ڈھونڈی ہیں، اور کہیں افسانے میں حقیقت تلاش کی ہے۔ کہیں وہ چھوٹے چھوٹے چند سطری واقعات کی مدد سے بڑے نتیجے نکالنے کی جستجو کرتے ہیں۔ ان تمام تخلیقی کاوشوں کے پیچھے جو محرک کارفرما ہے وہ انسان اور اُس کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش ہے، اسی لئے انھیں آج کی میکانکی زندگی اور مشینی فکر سے یہ خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ کہیں نئی دنیا میں انسان اُس احساس سے عاری نہ ہو جائے جو کہانیوں کو جنم دیتا ہے، اور جو کہانیوں سے زندگی کو حسین تر بنانے کا کام لیتا ہے۔

"میں کیوں سوچوں" فن کے ساتھ موجودہ عہد کی کرب آمیز فکر کا اچھا امتزاج پیش کرتا ہے، اور نئے افسانے میں ایک جدید تر رجحان کی نشان دہی کرتا ہے۔

اس کتاب کو ادبستان اُردو، پال بازار، امرت سر نے شائع کیا ہے، قیمت تین روپے ہے۔

دو ناول۔ (خواب پریشاں و امرجوت)

اُردو ناول اب تک دوسری اصناف کے مقابلے میں کم ترقی یافتہ ہے۔ یوں لکھنے کو تو ہر سال سیکڑوں ناول لکھے اور عام لوگوں میں شوق سے پڑھے جاتے ہیں، لیکن ایسے ناول جو ادب میں کسی مقام کے مستحق ہوں اب تک بہت کم ہیں، اور وہ بھی عوام پسند سستے ناولوں کے انبار میں کم یاب ہیں، ناول پڑھنے کا شوق آج بھی پہلے ہی کی طرح عام ہے، لیکن اس شوق کی تسکین سطحی اور سستے رومانی موضوعات، جاسوسی کہانیوں، اور پُر اسرار واقعات کی بھول بھلیوں سے آگے نہیں جانے پاتی، شاید اسی لئے ناول لکھنے کی ہر نئی کوشش ادبی تخلیق بننے کی بجائے وقتی تفریح کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس وقت دو ناول میرے سامنے ہیں، دونوں کے لکھنے والے اس میدان میں نو وارد ہیں، اور اسی لئے اُن کی کوششیں ادبی معیار سے کم آشنا ہو پائی ہیں۔ "خواب پریشاں" ملی ایچ سرشار کی تخلیق ہے جس کے نام کے ساتھ ہی "ایک رومانی ناول" بھی لکھ دیا گیا ہے، لنٹن اسٹریٹ، کلکتہ سے شائع ہونے والے اس ناول کی قیمت چار روپے ہے۔ عبدالرؤف صاحب، نیاز احمد خاں صاحب، اور شاہ مقبول احمد صاحب (اساتذۂ اُردو، کلکتہ) کے تین مختصر تعارف اس امید پر لکھے گئے ہیں کہ "یہ ناول اُردو ادب میں خاصی اہمیت حاصل کرے گا"۔ مجھے پتہ نہیں کہ پڑھنے والے اس امید کو کس حد تک پورا کریں گے۔

دوسرا ناول "امرجوت" بینکٹ پرشاد نے لکھا ہے جو کتاب خانہ عابد روڈ حیدر آباد سے تین روپے میں مل سکتا ہے اس ناول کے نام کے ساتھ ہی قوسین میں "ایک سماجی ناول" لکھ دیا گیا ہے اور مصنف نے ہندوستان کے کئی موجودہ مسائل سے بحث کی ہے جن میں ہندوستانی قومیت، مشترکہ کلچر، اُردو زبان و ادب، آزادی کے بعد قومی تعمیر اور پُرانے تعصبات سے آزادی حاصل کرنے کے مسائل اہم ہیں۔ ناول کے فن سے قطع نظر ان مسائل کا تجزیہ ایک وسیع النظر قوم پرست اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب کے علمبردار کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے، آج علیحدگی پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحانات میں یہ نقطۂ نظر بجائے خود ایک نیک فال ہے۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

قومی کتابیات (شعبۂ اُردو سنہ ۱۹۶۱ء)

مرتبین۔ بی۔ ایس کیشون و سید جمیل احمد

ناشر۔ بھاشا وبھاگ۔ اتر پردیش

سائز۔ ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۹۸۔ قیمت چھ روپے۔

احباب قاعدہ

مصنف۔ سید احتشام حسین

ناشر۔ ادارہ فروغ اُردو۔ امین آباد پارک۔ لکھنؤ

سائز۔ ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۴۰۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے۔

طلوع مہر

مصنف۔ مجزوں چکلوی

ناشر۔ پبلشنگ ہاؤس۔ مونگیر (بہار)

سائز۔ ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۸۲۔ قیمت ۱.۵۰

مالک انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ۔ پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اُردو علی گڑھ سے شائع کیا